International Research Journal of Religious Studies, Vol.:3, Issue: 02,July-Dec 2023PP: 145-159

OPEN ACCESS
IRJRS
ISSN (Online): 2959-1384
ISSN (Print): 2959-2569
www.irjrs.com

اورل ہسٹری اور ادب ایک تحقیقی جائزہ

ORAL HISTORY AND LITERATURE: AN EXPLORATORY REVIEW

Dr. Shazia Sajid
Assistant Professor (Urdu Department) Kinnaird College for Women, Lahore.
Email: *shazia.sajid@kinnaird.edu.pk*
https://orcid.org/0009 - 0001- 5200- 0100

Abstract

This research article attempts to introduce Oral history which is a relatively new term in historical studies. Oral history is not only a new category within the historical studies but also a new source of evidence collection which has great potential to enrich the existing narratives of historical events available to us. The term oral history has been in use in the developed countries since 1960s. It refers to the use of narration of individuals who were participants of historically significant events and can range from personal letters, memoirs and interviews to literary compilations. It is argued that these sources are equally important to complete the narration of history and to gain a deeper understanding of the events. It can play a particularly significant role in comprehending the social impacts of events on common people. However, till date the application of Oral History in Urdu Literature has been limited. Urdu Literature is undoubtedly a valuable source of social and human history of sub-continent as a whole and later the struggle of the newly formed country Pakistan to make its mark on the socio political world map. Despite this, it lacks acceptability as a historical source due to the strictly set norms of recording facts and events in general history, particularly in this part of the world. Oral history can be effectively used to fill in the gaps present in general history. This article focuses on the importance of increasing the acceptability and usability of such sources, from Urdu Literature, of oral history .

CC BY

Key Words: *Oral history, Urdu Literature, comprehending, usability, compilations.*

موضوع کا تعارف

"اورل ہسٹری" ہمارے ہاں قدرے نئی اصطلاح ہے۔ جس کے لفظی معنی زبانی تاریخ کے ہیں۔ مگر دور جدید میں بین الاقوامی سطح پر اس کو ایک اصطلاح کی صورت میں استعمال کیا جارہا ہے۔ بذات خود یہ علمِ تاریخ کی کوئی نئی شاخ نہیں ۔ تاریخ نویسی کے ابتدائی دور سے ہی ماضی کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے بہت سے ذرائع کا استعمال کیا جارہا ہے۔ درحقیقت روایتی تاریخ نگاری کا آغاز بھی زبانی طریقہ ترسیل اور دستاویزی شہادتوں کی عدم موجودگی سے ہی ہوا مگر آہستہ آہستہ اِن ذرائع کو صرف نظر کر کے دستاویزات پر مبنی شہادتوں کو استناد کا درجہ حاصل ہونے لگا۔ سوال یہ ہے کہ کن وجوہات کی بنا پر زبانی طریقہ ترسیل اور واقعاتی شہادتوں کی اہمیت کم یا بالکل ختم ہو کر رہ گئی؟ ان سوالات کے جوابات کے لیے تاریخ نویسی کے ابتدائی ادوار سے معلومات درکار ہوں گی تاکہ اُن وجوہات کی تلاش کیا جا سکے جن کی بنا پر اس تاریخی عمل میں یہ تبدیلیاں رُونما ہوئیں۔

مصر و یونان کی تہذیبیں انسانی مہذب معاشرے کا پہلا پڑاؤ تھیں۔ دیگر بیش تر شعبہ ہائے علوم کی طرح تاریخ نویسی کی ابتداء بھی یونان سے ہوئی۔ یونانیوں کے مذہبی عقائد نے تاریخ کو دیومالائی اور ماورائی کرداروں کے سحر میں جکڑ دیا۔ اس دستانوی رنگ نے اُس کو مبہم اور غیر حقیقی بنادیا، اس طرز سے لکھی جانے والی تاریخ ایک ادبی شاہکار تھی اور بہت سے حقائق کو بھی سمیٹے ہوئے تھی۔

Homer کی مشہور زمانہ تصنیف ایلیڈ اور رزمیہ شاعری پر مبنی odyssey آج بھی اولین یونانی تہذیب و معاشرت کو جاننے کا مکمل اور مستند ذریعہ تسلیم کی جاتی ہیں۔ یونانی تہذیب کا وہ تشکیلی دور جس میں عام یونانی کھیتی باڑی کرتے تھے۔ وہ جنگجو مگر انتہائی مہذب تھے۔ جو کہ دشمن کی لاش کو بھی باعزت طریقے سے دفن کرتے تھے۔ عام یونانی ادنی جبکہ امراء کو دیوی دیوتاؤں کی اولاد تصور کیا جاتا تھا۔ اس کے باوجود حکومت کرنے والے یہ امراء مطلق العنان نہیں تھے۔

ایسی دیگر تفصیلات کا واحد ذریعہ اسی قسم کا ادبی ذخیرہ ہے ۔ جس کو تسلیم کرنا ناگزیر ہے۔ ابتدائی مہذب معاشرے میں شعبہ ہائے علوم کو مزید بہتر کیا جانے لگا۔ تاریخ کو اگرچہ دستاویزات کی شکل میں جمع کرنے پر زور دیا گیا مگر ان کی جمع آوری کے لیے کوئی قواعد وضوابط تشکیل نہیں دیئے گئے تھے۔ مشہور یونانی مؤرخ "ہیروڈوٹس" جس کو "بابائے تاریخ" کہا جاتا ہے۔ اُس نے اپنی عظیم تصنیف "تواریخ" (Histories) میں تاریخ کو تلاشِ حق کا ذریعہ قرار دیا مگر وہ بھی یونانی تاریخ نویسی کو داستانوی رنگ اور مافوق الفطرت عناصر سے نجات نہ دلا سکا۔ خود اس کی تصنیف جس کو تاریخ نگاری کا نقطہ آغاز سمجھا جاتا ہے وہ بھی مبالغہ آرائی سے مبرّا نہیں۔

اُنیسویں صدی کے آغاز میں دُنیا ترقی کے نئے دور سے آشنا ہوئی۔ یہ دور سائنس اور ٹیکنالوجی کا تھا۔ علم کے دوسرے شعبوں کی طرح علم تاریخ یا تاریخ نویسی میں بڑی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ علم و آگہی نے انسان کے تنقیدی شعور کو جلا بخشی اور اُس نے تاریخ کی جمع آوری کے لیے اہم واقعات کو مرتب کرنے کے ساتھ ساتھ اسباب و علل کو بھی محفوظ اور مرتب کرنے پر زور دیا۔ اس ساری ترتیب و تدوین کے لیے اُصول وضوابط بنائے گئے۔ تمام حقائق کو پرکھنے کے لیے سخت معیارات بنائے گئے تاکہ آئندہ نسلوں تک پہنچنے والی معلومات میں کوئی ابہام اور غلط بیانی کی گنجائش نہ رہے۔ انہی اُصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اُن حقائق اور وقائع کو رد کرنے پر زور دیا گیا جس کی کوئی مستند دستاویز موجود تھیں۔ ٹھوس شہادتوں کی عدم دستیابی پر کرداروں کو بھی مشکوک قرار دے کر رد کیا گیا۔ سائنس کی نئی نئی ترقی نے تاریخ نگاری پر بھی سائنسی اُصولوں کے انطباق کو ضروری قرار دے دیا۔ زبانی طریق ترسیل سے جمع شدہ مواد کو بھی غیر مستند قرار دے دیا گیا جبکہ ہیروڈوٹس (جس کو اوّلین مورخ تسلیم کیا گیا) کی تصنیف میں اس بات کا اقرار کیا گیا تھا کہ معلومات کے حصول کے لیے اس نے یونان کے چالیس شہروں کے لوگوں سے ملاقات کی اور افریقہ کے کم و بیش تیس ممالک کے باشندوں سے مختلف قسم کی معلومات اکٹھی کیں۔

معاشرے میں تبدیلی کسی بھی نوعیت کی ہو اُس کے اثرات کچھ ہی عرصے میں محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ جنگ عظیم اول کے بعد ماہرین بشریات اور ماہرین سماجیات نے مروجہ تاریخ نگاری پر چند اعتراضات اُٹھائے۔ ان کے مطابق اُنیسویں صدی کی خالص تاریخ نگاری میں ”فرد“ اور اس کی انفرادی ”فکر“ تاریخ کے بیان میں موجود نہیں۔ نمایاں طبقات اور ان کے نظریات ہی اس پر چھائے ہوئے ہیں۔

جبکہ عوام کو ایک ہجوم کی طرح پیش کیا جارہا ہے۔ اس قسم کے تاریخی بیانات سماجی رویوں اور دیگر بشری سرگرمیوں کے بارے میں معلومات دینے سے قاصر ہیں۔ چنانچہ گزشتہ ادوار کے معاشرتی اور سماجی رویوں کے مطالعے کے لیے ماہرین بشریات اور سماجیات آرٹ، صنعت اور ادب کی طرف رجوع کرنے لگے۔

امریکن مؤرخ ہنری اسٹیل کومیجر نے اس طبقاتی تقسیم کی بھی نشاندہی کی جو عام فرد کو تاریخ کے صفحات پر اہمیت نہ دینے کی بڑی وجہ تھی۔

ان صفحات میں فرمانرواوں، سالاروں اور بڑے چرچ کے پوپوں کو جگہ ملی۔ مگر رعایا، دیہات کا پادری اور فوج کا عام سپاہی اور اس کے شب وروز کہیں نظر نہیں آتے۔ ضیاء الدین برنی نے بھی ”تاریخ فیروز شاہی“ میں اس طبقاتی نظام کی برصغیر میں بھی نشاندہی کی ہے۔

اس ضمن میں اس نے غیاث الدین بلبن کا حوالہ دیا ہے کہ وہ شجرہ نسب اور ذات پات کا بہت لحاظ رکھتا تھا۔ وہ ہمیشہ اعلیٰ طبقے کے لوگوں سے بات چیت کرتا تھا۔ نچلے طبقے کے لوگوں کو منہ نہ لگاتا تھا۔

عمومی تاریخ کو دستاویزات تک محدود کرنا بھی ایک طرح کا متعصب عمل تھا۔ کیونکہ دستاویزات سے استفادہ صرف اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ ہی کر سکتا تھا۔ ڈاکٹر محمد اکرام اپنی تصنیف ''آب کوثر'' میں اس کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں۔

''دستاویزات سے استفادہ کرنا ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں۔ اس میں قدرے مہارت کی ضرورت ہوتی ہے۔ جسے ہم دستاویزات کا تنقیدی تجزیہ کہتے ہیں۔ اگر ہم کسی دستاویز کے مندرجات پر ہی مکمل انحصار کریں اور اُن پیش آمدہ امور کو نظر انداز کریں۔ جن کی وجہ سے وہ احاطہ تحریر میں آئیں تو اخذ کردہ حقائق کی صحت مشکوک ہو جاتی ہے۔ اس لیے دستاویز کی علل و معلول کو پیش نظر رکھنا از حد ضروری ہے اور یہی امور اس کے لیے تنقیدی تجزیے کی حیثیت رکھتے ہیں۔''(۱)

عمومی تاریخ نے ہمیشہ ڈرامائی مناظر میں دلچسپی لی اور سنسنی خیز باتوں مثلاً جنگیں، بحران، قحط، قومی حوادث یا نہایت مکروہ جرائم وغیرہ کی داستانیں۔ عوام سے اسے کوئی خاص سروکار نہیں۔ عام طور پر ان کو ایک ہجوم کی صورت میں پیش کیا جاتا رہا۔

اس تمام بیان سے عمومی تاریخ کے متعلق درج ذیل حقائق اخذ کیے جاسکتے ہیں۔

☆ عمومی تاریخ کا دائرہ کار محدود ہوتا ہے۔

☆ یہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور معاشرے کے اعلیٰ طبقے کی ترجمان ہوتی ہے۔

☆ اس کے متعصبانہ رویہ کی وجہ سے معاشرے کے دیگر طبقات کو تاریخ کے صفحات میں نمائندگی نہیں ملتی۔

☆ ''فرد'' اور ''فکر'' کو اہمیت نہ دینے کے باعث تاریخ کا منظر نامکمل رہتا ہے۔

☆ نسل انسانی کے عمل اور رد عمل کو کلی طور پر سائنسی اُصولوں پر پرکھا نہیں جا سکتا۔ اس لیے تاریخ جیسے معاشرتی شعبوں کو وقت کے ساتھ بدلتے انسانی رویوں کو بھی ملحوظ خاطر رکھنا ہو گا۔

روایتی تاریخ نگاری کے انہی خلاؤں کو پُر کرنے کے لیے 1960 کی دہائی میں مغرب میں ''علمِ تاریخ'' کی ایک متوازی شاخ Oral History کے نام سے متعارف کروائی گئی۔ جس سے ادب سمیت معاشرے کے دیگر عمومی شعبوں کو روایتی تاریخ نگاری کی معاونت کے لیے اس اصطلاح کے تحت منظم کر دیا گیا۔

''اورل ہسٹری'' کی بنیادی تصنیف By word of mouth میں اس بیان کی تائید ملتی ہے۔

"Oral History is not a new kind of history but rather a type of source or evidence(Seldon and Pappworth"

اس طرح کسی بھی معاشرے میں تخلیق ہونے والے ادب کو تاریخ کا ایک اہم ماخذ تسلیم کر لیا گیا۔

حقائق کو باریک بینی اور وضاحت کے ساتھ پیش کرنے کے لیے معلومات کے ذرائع میں اضافہ ہو گیا۔ قدیم دور کے انسان کے متعلق جاننے میں مدد گار شعبوں کی تمام تفصیلات تاریخ نگاری کے ذرائع کی حیثیت سے اہمیت اختیار کر گئیں۔

ماضی کو قلمبند کرنے کے لیے اورل ہسٹری کے استعمال کی روایت اتنی ہی پرانی ہے جتنی خود عمومی تاریخ۔ اگرچہ ادبی حلقوں میں اس کو جنگ عظیم دوم کے بعد پذیرائی حاصل ہوئی۔ جب مؤرخین کے علاوہ عام لکھنے والوں نے بھی متاثرین جنگ سے براہِ راست معلومات حاصل کرنا شروع کیں اور انہی معلومات کی بدولت اس جنگ کی وجوہات سامنے آئیں۔

حقائق و واقعات کی معلومات کی فراہمی کا عمل صدیوں پر محیط ہے۔ یہ ایسا مربوط سلسلہ ہے کہ جس کا رَبط ٹوٹنے سے تاریخ کی ساری عمارت زمین بوس ہو سکتی ہے۔ صدیوں سے زندگی کے ہر شعبے میں ریکارڈ کو محفوظ کرنے والوں نے اِس رَبط کو قائم رکھا ہوا ہے۔ اگرچہ ابتدائی مورخین کا جمع کردہ بہت سا ریکارڈ ہم تک نہیں پہنچ سکا۔ جیسا کہ پولی بس (Polybius) جو ۲۰۵ قبل مسیح کا یونانی مورخ تھا، نے تاریخ کی چالیس جلدیں لکھیں۔ جن میں سے صرف پانچ جلدیں اگلی صدیوں تک پہنچ سکیں۔ لِوی (Livi) نے تاریخ رومہ کی 142 جلدیں مرتب کیں۔ جن میں سے صرف 35 بچ سکیں۔ یعنی زمانے کی دست برد سے کچھ بھی محفوظ نہیں وہ دستاویزات یا کسی بھی شکل میں ہوں۔ چنانچہ ماضی سے متعلق معلومات کے لیے ہر طرح کے ذرائع کو مساوی اہمیت حاصل ہے۔ قدیم تاریخی تصانیف اس بات کی خود دلیل ہیں کہ مورخین نے دستاویزات کی موجودگی کے باوجود ہر طرح کی شہادتوں کو بھی استعمال کیا۔ ابتدائی مورخین ہیروڈوٹس اور تھیوسیڈائڈز کا طرز عمل ہمارے سامنے ہے۔ جنہوں نے ہر طرح کے ذرائع اور ماخذات جن سے ماضی سے متعلق معلومات حاصل ہو سکتی تھیں۔ اُن کو بلاامتیاز استعمال کیا۔ ہیروڈوٹس کی طرح کئی دوسرے مورخین بھی افسران اور سیاحوں سے معلومات اکٹھی کرتے رہے اور تحریری دستاویزات میں دی گئی معلومات پر مزید تبصرہ کرتے۔ آٹھویں صدی عیسوی میں مذہبی کرانیکلز لکھنے والے Bede اور Orderic بھی اورل ذرائع کو استعمال کرتے رہے۔ Bede نے اپنی مشہور تصنیف "History of English Church" میں دی گئی معلومات اورل ذرائع سے اکٹھی کیں۔ (Woolf، ۱۹۹۸:۶۷۵)

تاریخ نویسی کے اولین دور میں معلومات کے ذرائع میں کوئی تفریق یا کڑی شرائط اس لیے بھی ممکن نہیں تھیں کہ سب سے پہلی تو یہ کہ اِن مورخین کے دور میں لکھنے لکھانے کا فریضہ معاشرے کا اعلیٰ طبقہ سرانجام دے رہا تھا۔ ایک مخصوص جماعت تک اہم دستاویزات کو محدود رکھا جاتا تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ چھاپنے کی بھی کوئی سہولت عام طور پر دستیاب نہیں تھی اور دستاویزات تک عام مورخ کی رسائی خاصی دشوار رہی۔ تیسری اہم وجہ یہ تھی کہ براعظم افریقہ کی بہت سی ریاستوں کی طرح کم تعلیم یافتہ معاشروں میں زبانی ماخذات کو بہت اہمیت دی گئی۔ جبکہ ہیروڈوٹس کے مطابق تاریخ کے فرائض وسیع ہیں۔

"یہ صرف تاریخ ہی ہے۔ جو کہ انسان کو ذی عقل کارکن بیان کرتی ہے اور یہاں مورخ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ پوری تندہی سے انسان کے ماضی کے اعمال کو آشکار کرے۔ ان واقعات کو صرف سطحی طور پر ہی بیان نہ کرے بلکہ ان واقعات کی اندرونی روح کو بھی اُجاگر کرے۔ انسان اپنے اعمال کی وجہ بھی رکھتا ہے۔ مورخ کو انہیں بھی مدنظر رکھنا ہوگا کیونکہ واقعات بغیر وجوہات کے جنم نہیں لیتے اور مورخ کا کام ان تمام وجوہات کی نشاندہی کرنا بھی ہے۔"(۲)

اگر ہم روایتی طریق پر تحریر کی گئی تواریخ کو دیکھیں تو ہمیں تاریخی واقعات کے تمام اسباب و علل دکھائی نہیں دیتے۔ یہی وجہ تھی کہ ابتدائی تاریخ نویسوں نے بلا تفریق ہر طرح کے ذرائع معلومات سے فائدہ اُٹھایا۔ اورل ہسٹری کے ذرائع ہی ہمیں ان حقائق تک پہنچنے میں مدد دے سکتے ہیں۔ جہاں دستاویزات پر مبنی روایتی تاریخ نہیں پہنچ پاتی۔

بیسویں صدی کے اہم مورخ Jules Michlet نے زبانی ماخذات کو بہت اہمیت دی۔ حالانکہ وہ دستاویزات کے ساتھ اپنے لگاؤ کی وجہ سے مشہور تھا۔ مگر وہ اپنی مشہور تصنیف "History of French Revolution" کے لیے دستاویزات کو پس پشت ڈال کر عام لوگوں سے انقلاب فرانس کے بارے میں معلومات اکٹھی کرتا رہا۔ اس کا مضمون "The People" سماجی تاریخ کی بنیاد سمجھا جاتا ہے۔ جس کے لیے زیادہ سے زیادہ زبانی ذرائع کا اہتمام کیا جاتا رہا۔

ہندوستان یا اردو ادب میں اورل ہسٹری کی بہت بڑی مثال خواجہ حسن نظامی کی وقائع نگاری پر مبنی تاریخ ہے۔ جس کا مواد انہوں نے زبانی ذرائع سے اکٹھا کیا۔ انہوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے کئی سال گزر جانے کے بعد کچھ ایسی شخصیات کو ڈھونڈھ نکالا جو اس وقت اپنی عمر کے آخری حصے میں تھیں۔ یہ وہ لوگ تھے جن کا تعلق بہادر شاہ ظفر کے خاندان سے تھا۔ اس معرکے میں شاہی خاندان اور عام لوگوں پر گزرنے والے آلام و مصائب کا مفصل بیان کسی انگریز یا ہندوستانی مورخ کی لکھی ہوئی تاریخ میں موجود نہیں۔ ہر تاریخ شاہی خاندان کے قلعہ چھوڑ کر مقبرے میں پناہ لینے تک کے واقعے تک کا احاطہ کرتی ہے۔ کسی نے مزید تفصیل دی تو بادشاہ کا رنگون میں قید ہونا اور بے بسی کی موت مرنے کا ذکر موجود ہے۔ مگر وہ سارا خاندان جو ایک قبیلے کی صورت میں بادشاہ کے ساتھ قلعے میں رہتا تھا۔ اس کا کیا ہوا؟ اس کا پتہ ہمیں اسی

طرح کی تصانیف میں ملتا ہے جو بظاہر تو تخلیقی ادب پر مشتمل دکھائی دیتی ہیں۔ مگر در حقیقت حقائق کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہوتی ہیں۔

۱۹۶۰ء کی دہائی میں زبانی تاریخ کو درسی مقام اور پیشہ ورانہ عزت حاصل ہونے لگی۔ زبانی تاریخ کے حامی ماہرین نے اِس کے قواعد وضوابط مرتب کرنے پر بھی کام کرنا شروع کر دیا۔ یہ وہ دور تھا جب تاریخ نگاری کا رُخ روایتی موضوعات یعنی سیاست، قانون اور سفارتی تاریخ سے ہٹ کر سماجی تاریخ کی طرف ہونے لگا تھا۔ سماجی تاریخ نے عام لوگوں خصوصاً معاشرے کے نچلے طبقے کو موضوع بنایا۔ ۱۹۷۰ء کی دہائی میں ترقی یافتہ مغربی ممالک میں بھی سماجی تاریخ کے زیر اثر زبانی ذرائع کو اہمیت دی جانے لگی۔ کم تعلیم یافتہ معاشروں کے حامل معاشروں میں بھی زبانی ذرائع برائے تاریخ کو بغیر کسی تخصیص کے مقام دیا گیا۔

مغربی ممالک میں اورل ہسٹری کے فروغ کی سب سے پہلی نمایاں مثال Paul Thompson ہے۔ جس کا تعلق برطانیہ سے تھا۔ اُس نے اورل ہسٹری کو مستند قرار دینے، اس کے بنیادی قواعد وضوابط مرتب کرنے اور اس کی اہمیت کا احساس دلانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ۱۹۷۸ء میں اس کی مشہور تصنیف "The voice of the past" شائع ہوئی جس میں اس نے اورل ہسٹری کی جامع تعریف اور زبانی شہادتوں کے استعمال کے مستند طریقے وضع کئے۔

اورل ہسٹری کی اصطلاح کے آتے ہی یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ صرف زبانی طور پر دیئے گئے بیانات اور بیان کئے گئے حقائق پر مبنی ہوتی ہے یا کسی اہم واقعے کے عینی شاہد کا زبانی بیان اور اورل ہسٹری کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ اس کی وضاحت یوں کی جا سکتی ہے۔ Paul Thompson کے مطابق:۔

"Information transmitted orally, in a personal exchange, of a kind likely to be of Historical or long term value. The information can then be committed to memory, written down or put on tape or video" (۳)

جب کوئی اہم واقعہ وقوع پذیر ہوتا ہے تو بہت سے لوگ اُس کے عینی شاہد ہوتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ انسانی زندگی کا دورانیہ اتنا نہیں کہ ہم سالہا سال پہلے وقوع پذیر واقعات کے متعلق جاننے کے لیے عینی شہادتوں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوں۔ ایسے میں وہ تحریری مواد جو عینی اور واقعاتی شہادتوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ وہ ماضی کے بارے میں معلومات دینے کے کام آتا ہے۔ اور اسی قسم کا مواد اورل ہسٹری کی اصطلاح کے تحت آئے گا۔

اورل ہسٹری نے قدیم انسانی تاریخ کو مرتب کرنے میں مثالی کردار ادا کیا ہے۔ کیونکہ زمانہ قبل از تاریخ کے بارے میں تمام معلومات "اورل ہسٹری" کے ذریعے ہی اگلی نسلوں تک پہنچیں۔

Paul Thompson کا خیال ہے۔

"Oral History is a history built around people. It thrusts life in to history itself and it widens its and it widens its scope. (4)

ماہر سماجیات و بشریات کا ذمہ ماضی کا احیا نہیں۔ مگر انسانی زندگی کے گہرے مطالعے کے لیے جب وہ کسی مخصوص خطے میں کسی مخصوص گروہ کے تمام اوصاف و خصائل کی کھوج میں نکلتا ہے تو اسے ان ذرائع کی طرف یقینی طور پر رجوع کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح ان کی تحقیق بھی تاریخی معلومات میں اضافے کا باعث بنتی ہیں۔

زبانی تاریخ وہ تاریخ ہے جو لوگوں کے گرد بُنی جاتی ہے۔ یہ عمومی تاریخ میں جان ڈال دیتی ہے اور اس کی دسترس میں وسعت کا باعث بنتی ہے۔ چنانچہ ماضی سے وابستہ 'روایات' واقعات اور حالات کے بارے میں جاننے کے لیے مستند عینی اور واقعاتی شہادتوں پر مبنی تحریریں اور تصانیف اورل ہسٹری ہیں۔ عمومی تاریخ کا محدود کینوس جن تصاویر کو اُدھورا چھوڑ دیتا ہے۔ اورل ہسٹری سے ان میں حقیقت کا رنگ بھر کر مکمل کیا جا سکتا ہے۔

اس موضوع کے تحت اردو ادب میں منتخب اصنافِ نثر میں ایسے منتخب مواد کی نشاندہی کی گئی ہے جو برصغیر کی اورل ہسٹری کے ماخذات ثابت ہوسکتے ہیں۔ کسی بھی خطے میں مخصوص معاشرت میں پنپنے والا ادب اس معاشرے کی مکمل تصویف کو پیش کرتا ہے۔ چنانچہ اردو ادب میں ان ماخذات کو جزوی طور پر پیش کیا گیا ہے جن میں نہ صرف برصغیر پاک و ہند کے معاشرے کی صحیح عکاسی ہوتی ہے بلکہ اس خطے کی تاریخ اپنے جزوی اسباب و علل کے ساتھ بھی پائی جاتی ہے۔ اصنافِ ادب سے معلوم شدہ حقائق کا تاریخ کی روایتی تصانیف میں موجود حقائق کے ساتھ تقابلی جائزہ کر کے ان کی صحت معلوم کرنے میں بھی آسانی ہو سکتی ہے۔

کسی بھی زبان کا ادب اس کے معاشرے کے بیشتر رویوں کا مظہر ہوتا ہے۔ جو کہ نہ صرف ماضی کی روایات کو ساتھ لے کر چلنے کا عادی ہوتا ہے بلکہ حال کے وقائع سے بھی مواد حاصل کرتا ہے اور مستقبل کے لیے بھی لائحہ عمل ترتیب دینے کی سعی کرتا ہے۔ اس کے اندر موجود یہی زمانی تسلسل اِس کو معاشرے سے جوڑے رکھتا ہے اور اس کی صداقت کی دلیل بھی بنتا ہے۔ (اردو ادب میں زمانی تسلسل کی بہترین مثال اقبال کی شاعری ہے۔) ادبی تخلیقات فطری اور حقیقی ہوتی ہیں۔ یہ کسی مطلق العنان بادشاہ کی خوشنودی کے لیے تخلیق نہیں کی جاتیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی صداقت مستند ہوتی ہے۔

ادب کے جدید نظریات بھی محققین کی توجہ اس جانب مبذول کراتے ہیں کہ ادب محض وقتی فرار یا ذہنی تعیش حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں۔ اس کے کئی زاویے ہیں اور ہر زاویہ اپنے اندر لامحدود دنیائیں رکھتا ہے۔ جس طرح شارب ردولوی کہتے ہیں:۔

ایڈورڈ گرین لا کا خیال ہے کہ

"ہر وہ چیز جس کا انسانی تہذیب کی تاریخ سے کوئی بھی تعلق ہے ادب میں شامل ہو سکتی ہے۔ کسی بھی دور کی تاریخ کو سمجھنے کے لیے ہم محض اس دور کی ادبی کاوشوں یا مطبوعہ مسودات تک ہی محدود نہیں رہ سکتے۔ لازم ہے کہ ہم ادبی تخلیق کو اس روشنی میں دیکھیں کہ یہ تہذیب کی تاریخ میں کیا ممکن رول ادا کرتے ہیں۔ گرین لا کے اس نظریے اور دوسرے محققوں کے اس پر عمل کے مطابق ادبی مطالعے کو نہ صرف تاریخ تہذیب سے ایک اہم رشتہ پیدا ہو جاتا ہے بلکہ یہ دونوں تقریباً ایک ہی ہو جاتے ہیں۔ اس قسم کا مطالعہ اس لیے ادبی ہے کہ یہ ان مطبوعہ یا قلمی نسخوں پر غور کرتا ہے جو کہ لازماً تاریخ کا بھی ایک اہم منبع ہیں۔"[۵]

علم تاریخ کے آغاز سے بیسویں صدی کی وسطی دہائیوں تک لکھی جانے والی تواریخ کو ہر مورخ نے مختلف نقطہ ہائے نظر کے تحت لکھا۔ قوم پرستوں نے قومی نقطۂ نظر سے تاریخیں مرتب کیں۔ مارکسی مورخین نے اسے طبقاتی تصادم اور کشمکش کے تحت لکھا۔ برصغیر میں تاریخ نویسی کی عصری ترتیب کو اہمیت دی گئی۔

مگر اب تاریخ میں معاشرے کے دوسرے اہم پہلوئوں پر بھی نظر کی جا رہی ہے۔ معیشت' ثقافت اور خصوصاً عوامی سرگرمیاں خاص طور پر مورخین کا موضوع بن رہی ہیں کیونکہ وہ اب اس حقیقت سے آگاہ ہو چکے ہیں یہ عام لوگ ہی ہیں۔ جو اپنی محنت اور ہنر و فن سے معاشرے کے اندر بڑی تبدیلیاں لاتے ہیں۔ تاریخ کو جب اس نقطہ نظر سے دیکھا جاتا ہے تو اس کا دائرہ پھیل جاتا ہے اور تاریخ محض سیاسی واقعات' سازشوں اور جوڑ توڑ کا نام نہیں رہتی بلکہ زندگی کی صحیح عکاسی کرتی ہے۔

اب جو وقت گزر چکا ہے۔ اس کی نوشتہ تاریخ کو بدلا نہیں جا سکتا۔ البتہ اس دور کی تمام سماجی اور معاشرتی تاریخ کے بارے میں معلومات ادب کے ذخیرے سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ اس مقالے میں انہیں منتخب نثری اصناف ادب کی نشاندہی کی جائے گی۔ جن میں سماجی اور معاشرتی تاریخی مواد موجود ہے۔

ادب میں "اورل ہسٹری" کے ماخذات کی اہمیت

اردو ادب میں "اورل ہسٹری" کی اصطلاح بالکل نئی ہے۔ اس اصطلاح کو تحقیقی موضوع کا درجہ دینے سے اردو ادب میں اُن ماخذات کی نشاندہی ہو سکے گی جو اپنے حظیاتی پہلو کے علاوہ قیمتی تاریخی معلومات کے بھی حامل ہیں۔ اردو ادب

کی بہت سی اصناف کے مقام و مرتبے کو ان مورخین اور دیگر کی نظر میں منوایا جا سکتا ہے۔ جو اردو ادب اور اس کے ذخیرے کو محض وقتی حظ اٹھانے کی کوئی چیز سمجھتے ہیں۔ اردو ادب کی بقا کے لیے ضروری ہے کہ اس کے مواد کی اہمیت کو اُجاگر کیا جائے کیونکہ آج کل کے مشینی دور میں ایسی تمام اشیاء کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے جو اپنی اہمیت کو منوانے سے قاصر ہوں۔

ادب زندگی سے ہے اور زندگی کے لیے ہے۔ اردو ادب میں ایسا مواد موجود ہے جو فرد واحد سے لے کر اجتماعی معاشرے تک کو پیش کرتا ہے۔ جوں جوں زمانہ شعور اور ترقی کی منازل طے کر رہا ہے۔ فرد کو اکثر شعبہ ہائے زندگی میں اوّلین حیثیت حاصل ہے۔ یہ ادب ہی ہے جو فرد کے انفرادی اور اجتماعی ماضی کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ فرد کے حوالے سے بھی اس کا مطالعہ اہم ہے۔

اس مضمون میں اردو ادب کے اسی طرح کے معلوماتی مواد کو ''اورل ہسٹری'' کی اصطلاح کے تحت ایک نئی جہت سے متعارف کروایا جائے گا۔ اس سے یہ دلیل بھی مل سکے گی کہ ادب کس طرح انسان کے لطیف جذبات سے جنم لیتا ہے اور ان جذبات کی شکست وریخت کے مناظر کو محفوظ کرتا ہے۔ اظہار وابلاغ کے کسی اور ذریعے میں یہ خوبی نہیں۔

یہ تصنیف بشریات اور سماجیات پر تحقیق کرنے والوں کی توجہ اردو ادب کے سرمائے کی طرف مبذول کو اسکتی ہے۔ اس طرح زبان وادب کی افادیت کا ایک نیا پہلو سامنے اسکتا ہے۔

انفارمیشن ٹیکنالوجی کے اس دور میں نئی نسل ہر شعبہء زندگی کو دلائل اور ضرورت کے معیار پر پرکھتی ہے۔ اور ہر طرح کے نسلی، علاقائی اور مذہبی تعصب کو درست نہیں سمجھتی۔ اس تصنیف میں اس جہت کو اجاگر کیا گیا ہے کہ ادب معاشرے سے تعصب کو بھی دور کرنے اور فرد کی شخصیت کے مثبت پہلوؤں کو فروغ دینے میں معاونت کر سکتا ہے۔

اسی لیے برٹرینڈرسل مورخ سے درخواست کرتا ہے کہ وہ ماضی کے ڈھیر میں سے ان واقعات کا انتخاب کرے جن سے محبت اور اُمید کا پیغام ملے۔ عظیم لوگوں کی سوانح حیات اور ان کی اہمیت پر روشنی ڈالیں تاکہ لوگ ان سے متاثر ہو کر اپنے آپ میں خوبیاں پیدا کرنے کی خواہش رکھیں۔

کسی بھی زبان کا ادب نہ صرف اس کے ماضی کے بیان کو پیش کرتا ہے۔ بلکہ بحرانوں کی کیفیت میں پیدا ہونے والی عوامی امید کو بھی نمایاں کر کے پیش کرتا ہے۔ قابل ذکر واقعات کا انتخاب کرنے میں کوئی بھی ادبی تخلیقیت کا حامل شخص کسی بھی مورخ سے زیادہ بہتر چیز کا انتخاب کر سکتا ہے۔

علم تاریخ اپنے اندر اتنی وسعت نہیں رکھتا کہ وہ حال میں فرد واحد کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کے تمام اجزا کو سمیٹ لے حالاں کہ ہر فرد معاشرے کی اکائی کی حیثیت سے اپنا ایک وجود اور مقام رکھتا ہے۔ اس کو نظر انداز کر کے کوئی مورخ کسی معاشرے کے ماضی کی حقیقی تصویر نگاری نہیں کر سکتا۔

تاریخ کو مرتب کرنے والے مورخین انسانی معاشرے میں وقوع پذیر اہم واقعات کو تو محفوظ کر لیتے ہیں مگر ان خوردبینی عناصر کو تاریخ کا حصہ بنانے سے قاصر ہوتے ہیں۔ جن کے اجتماعی اثر سے بڑے بڑے واقعات جنم لیتے ہیں۔ یہاں اورل ہسٹری اُن خلائوں کو پُر کرتی ہے جہاں عمومی یا روایتی تاریخ کے اوراق دھندلے ہیں۔ اردو ادب میں زبانی تاریخ کے ماخذات انہیں عناصر کو تفصیلاً پیش کرتے ہیں جو مستند تاریخی دستاویزات یا تصانیف میں جگہ حاصل نہیں کر پاتے۔ مگر اُن کی موجودگی اور اہمیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

تاریخ نویسی کے ابتدائی دور سے ہی علم و حکمت کے تمام شعبوں پر اعلیٰ طبقے کا تسلط تھا۔ یونانی عقائد کے مطابق اعلیٰ طبقے کو دیوی دیوتائوں کی اولاد سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے ان کے مقام یا ان کے اختیارات پر کسی نے اُنگلی نہ اٹھائی۔ یہ اعلیٰ طبقہ یا تو حکومتی ایوانوں میں موجود رہا یا اس کے انتہائی آس پاس۔ یہی وجہ ہے کہ روایتی تاریخ نویسی میں ہمیں حاکم وقت کی حمایت اور اسی کا فلسفۂ زندگی نمایاں نظر آتا ہے۔ ادب میں موجود اورل ہسٹری کے ماخذات کے ذریعے گزرے وقت کے عام فرد کی انفرادی سوچ اور رائے تک پہنچ کر اُن تلخ حقائق تک بھی رسائی حاصل کی جاسکتی ہے جن سے عمومی تاریخ احتراز کرتی دکھائی دیتی ہے۔

اس تصنیف میں ادب کی صداقت پر دلیل دی گئی ہے۔ کہ کوئی بھی شخص جو کسی بھی صنف ادب میں تخلیقی جوہر کا حامل ہے۔ وہ جب بھی ذاتی مشاہدات اور قلبی واردات کے تحت تخلیق یا تحریر کرتا ہے تو غیر جانبداری سے کام لیتا ہے۔ اردو ادب میں موجود خودنوشت سوانح عمریوں' ڈائریوں' خطوط اور تحریر کی جانے والی یادداشتوں کی شکل میں تاریخ کے اس حقیقی ذخیرے کو باآسانی تلاش کیا جاسکتا ہے۔ جو کسی کی رضا یا خوشنودی کے لیے نہیں لکھا گیا۔ اُن میں صداقت کے عنصر کی شرح کسی تاریخی دستاویز سے کم نہیں۔

تہذیبی ترقی کے ابتدائی دور میں حال کو مستقبل میں زندہ رکھنے کیلئے انسان نے مختلف اشکال کو ذریعہ اظہار بنایا۔ جیسا کہ مصر کی قدیم تہذیب میں ہمیں مثالیں ملتی ہیں کہ کس طرح فراعین مصر نے مصوری کے ذریعے اپنے احوال کو اہرام اور غاروں کی دیواروں پر محفوظ کیا۔ اس کے ساتھ اہم واقعات کو سینہ بہ سینہ منتقل کرنے کی روایت بھی موجود رہی۔ یادداشتوں کا یہ "انتقال" معاشرے کی ثقافت کا جزو بن گیا۔ پرانے وقتوں میں عصر اور مغرب کے درمیانی وقت میں گائوں یا بستی کی کسی کھلی جگہ یا چوپال میں لوگ اکٹھے ہو جاتے اور دوسری کسی جگہ سے آنے والے مسافروں یا اپنے بزرگوں کے تجربات کو کہانیوں اور داستانوں کی شکل میں سناتے۔ اِس وقت دنیا کے کئی ممالک میں کہانی کہنے کے فن کو باقاعدہ ترویج دی جارہی ہے۔ خصوصاً برصغیر میں پنپنے والی یہ روایت وقت کے ساتھ معدوم ہوتی چلی گئی۔ اس کتاب کے موضوع کے تحت

ان پہلوئوں کی نشان دہی کی گئی ہے جو تاریخ کے لحاظ سے اہم ماخذ ہیں۔ ہم ان بھولی بسری داستانوں پر بھی ایک تحقیقی نظر ڈالیں گے تاکہ ادب اور تاریخ میں ان کی حیثیت کو بھی اُجاگر کیا جاسکے اور افادیت کو سامنے لایا جاسکے۔

اورل ہسٹری سماجی اور معاشرتی تاریخ نگاری میں انتہائی اہم معاون ہے۔ انسانی رویوں پر تحقیق کرنے والوں کے لیے ایسے ذرائع مفید ہوسکتے ہیں جن میں فرد کی ذاتی سوچ، بیان اور آراء موجود ہیں۔ اورل ہسٹری کی اصطلاح کے تحت آنے والے یہ ذرائع ادب میں مختلف اصناف کی شکل میں موجود ہوتے ہیں۔

اورل ہسٹری اور ادب کا باہمی ربط اس لیے بھی زیادہ مضبوط ہے کیونکہ ادب کا تعلق براہِ راست فرد (اکائی) اور معاشرے (مجموعہ) دونوں سے ہے۔ ادب فرد کے تخلیقی وجدان سے لے کر معاشرے کے اجتماعی وجود تک کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ زندگی ادب کے لیے بہترین تخلیقی مواد فراہم کرتی ہے۔ اس طرح ادب حقائق پر مبنی تخلیقات میں فرد اور زندگی کو جگہ دے کر ان کے اور قریب ہو جاتا ہے۔

عمومی تاریخ اگرچہ تمام انسانی معاشرے کا احاطہ کرنے کی کوشش کرتی ہے مگر اس کا اصل موضوع انسان اور گزرتے ہوئے وقت میں اس کی سرگرمیاں ہیں۔ تاریخ کا موضوع انسان اور زمان ہے۔ اس کے مسائل انہی دونوں کے احوال سے متعلق ہوتے ہیں اور اس کی تمام جزئیات ان حالات واقعی کے دائرے میں بیان ہوتی ہیں۔ جو انسان کو دورانِ زمانہ پیش آتے ہیں۔

مندرجہ بالا تعریف تاریخ کے مکمل تصور کو پیش کرتی ہے۔ جس میں انسان کے زمانۂ ماضی کا تمام ریکارڈ جو اس کی زندگی کے کسی بھی شعبے سے متعلق ہو۔ کا احوال موجود ہے۔ اس میں ادب، قانون، آرٹ، تعمیرات، مجلسی ادارے، مذہب، نظریۂ حیات غرض انسانی زندگی کا مکمل احاطہ ہی تاریخ کا اصل فریضہ ہے۔ مگر جب عمومی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس کے بیان اور حالات واقعی کے درمیان بہت سے خلا موجود ہیں۔ جن سے اکثر واقعاتی تسلسل بھی ادھورا رہ جاتا ہے۔ یہ "اورل ہسٹری" ہی ہے۔ جو اس تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے تاریخ کے حقیقی منظر کو اُجاگر کر کے واقعات کو مزید واضح کر دیتی ہے۔

مخصوص معاشی، سیاسی اور معاشرتی حالات میں انسانی ردِ عمل تاریخ کا حصہ بنتا ہے اور پھر اسی ریکارڈ کی روشنی میں حال اور مستقبل کے لیے مناسب حکمت عملی وضع کی جاسکتی ہے۔ حاکم وقت سے لے کر ایک عام آدمی تک کے لیے ضروری ہے کہ وہ تاریخ سے خاطر خواہ آگاہی حاصل کرے تاکہ ماضی اور حال کے درمیانی خلا کو کم کیا جاسکے۔ حاکم وقت کے لیے تو تاریخ کی کتب میں اپنے جیسے حکمرانوں کے احوال موجود ہیں۔ وہ انہیں وقائع میں دل چسپی رکھتے ہیں اور ماضی

میں کامیاب رہنے والی پالیسیوں کو اختیار کرتے ہیں۔ جب کہ عام آدمی کو اپنے ماضی کا عکس اورل ہسٹری ہی میں نظر آتا ہے۔ اس کی وجہ سے عوام بھی تاریخ و قائع میں دل چسپی لیتے ہیں۔

جہاں تک ادب کی تاریخ رہنمائی کرتی ہے۔ یہ پتہ چلتا ہے کہ بین الاقوامی سطح پر اُبھرنے والی کئی تحریکوں نے جلد یا بدیر اردو ادب کو متاثر کیا جیسا کہ علامت نگاری، رومانویت اور ترقی پسند تحریک وغیرہ۔ ان تحریکوں کا اثر قبول کرنے سے ادب کے اندر تحرک اور زندگی کا شعور باقی رہتا ہے۔ اورل ہسٹری کی اصطلاح کو بطور تحریک کے مغربی ممالک میں 1960ء سے استعمال کیا جارہا ہے مگر ہمارے ہاں ابھی اس کو رائج کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کی جارہی ہے۔

دراصل برصغیر میں تحقیق کی جو روایت بیسویں صدی سے ملتی ہے۔ اس کو حافظ محمود شیرانی نے مغربی تحقیقی دبستان کے تحت اردو میں رواج دیا۔ اس دبستان سے وابستہ ان ابتدائی محققین نے تحقیق کے سخت اصولوں کو اپنایا۔ دستاویزات کو بنیادی لازمی جزو قرار دیا گیا۔ ثانوی ماخذات کو خاطر خواہ اہمیت نہ دی گئی۔ اردو ادب میں تحقیق کے انہی اصولوں کے باعث اورل ہسٹری کی اصطلاح نہ پنپ سکی۔ آج جب زندگی کے دوسرے شعبوں میں ہونے والی تحقیق پر نظر ڈالیں تو اس میں دستاویزات کے ساتھ ساتھ واقعاتی شہادتوں، سروے رپورٹوں، انٹرویوز وغیرہ کو بھی بنیادی ماخذ کی حیثیت دی جارہی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اردو ادب کو اکیسویں صدی کے تحقیقی تقاضوں کے ہم پلہ اور تحقیقی معاونت فراہم کرنے کا ذریعہ بنانے کے لیے جدید اصطلاحات اور تحریکوں کو اپنایا جائے۔

اس کتاب میں اورل ہسٹری کے تعارف کے بعد نہ صرف اردو ادب میں ایک نئی اصطلاح اورل ہسٹری کے نام سے متعارف ہو جانے کی توقع ہے۔ بلکہ بعد میں آنے والے ریسرچ سکالرز کے لیے اردو ادب میں نئے موضوعات بھی دستیاب ہو سکیں گے۔

ٹیکنالوجی کے اس انتہائی تیز رفتار دور میں آج کا فرد گرچہ تخلیقی ادب سے مکمل طور پر دستبردار نہیں ہوا۔ مگر بہت سی اصنافِ ادب کو غیر ضروری سمجھا جانے لگا ہے جیسا کہ داستان اور خطوط وغیرہ۔ اِس تصنیف میں ان کی اہمیت کو اُجاگر کیا گیا ہے۔

خلاصہ:

آج پورے انسانی معاشرے میں رائج تعصبات نے انسان کو ایک دوسرے سے بہت دور کر دیا ہے۔ وہ گلوبلائزیشن کا دعویٰ کرتا ہے۔ وہ دنیا کو globel village کہتا ہے۔ انگلی کی ایک پور سے تمام دنیا سے رابطہ کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ اس کے باوجود مذہبی، علاقائی، نسلی، لسانی اور صدہا قسم کے تعصبات نے گروہِ انسانی کو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔ ان انواع و اقسام کے تعصبات کو پھیلانے اور ہوا دینے میں گمراہ کن تاریخی شعور کا بہت بڑا حصہ ہے۔ کیونکہ ہمیشہ سے تاریخ کو مقدس سمجھ کر اس پر تنقید کی حوصلہ افزائی نہیں کی گئی۔

تاریخ کی مفادِ عامہ میں سب سے بڑی خدمت یہ ہو سکتی ہے کہ وہ انسانی معاشرے میں تعصب اور نا اتفاقی کا خاتمہ کرے۔ نظریاتی اور تعصباتی بنا پر لکھی گئیں تو اریخ نے لوگوں کو متعصب بنا دیا ہے۔ نو آبادیاتی نظام میں برطانوی حکومت کے اقتدار کے دوران برعظیم میں جن مورخین نے ''تاریخیں'' لکھیں اُن تواریخ نے آنے والی نسلوں میں ہر طرح کا تعصب پیدا کیا اور فرقہ واریت کو ایسی ہوا دی۔ کہ آج تک اس نفرت کی آگ میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ حالانکہ اسی خطے میں ہندو، مسلم، عیسائی اور دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والی بے شمار اقلیتیں صدیوں سے اکٹھے رہتے چلے آرہے تھے۔ آج حالت یہ ہے کہ تہواروں (جو خصوصاً ثقافت سے تعلق رکھتے ہیں) کو بھی مذہب کے خانوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ایک مٹی سے سے اُٹھنے والی ثقافت کو بانٹ دیا گیا ہے۔ کہ یہ ہندوئوں کی ثقافت ہے اور یہ مسلمانوں کی۔ پس منظر کے ساتھ وسیع تناظر میں واقعات و حالات کے عمیق مطالعے سے ہی ہم تاریخ سے وابستہ مفاد کو حاصل کر سکتے ہیں۔ ادب ہی انسانی معاشرے کی اقدار وروایات کا امین ہوتا ہے۔

تاریخ نویسی کا ایک عام چلن یہ ہے کہ تاریخ ہمیشہ فاتح قوم لکھتی ہے۔ یا فاتح قوم کی لکھی جاتی ہے۔ جبکہ بعض اوقات شکست خوردہ اقوام بھی انقلاب برپا کر دیتی ہیں۔ جیسا کہ جرمنی کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ نپولین نے شکست خوردہ جرمنوں کو اپنے سیاستدانوں، مورخوں، ادیبوں اور شعراء کے ذریعے متحد کیا اور یورپ کی ایک نمایاں قوت بن کر اُبھرا۔ بالآخر 1871ء میں فرانس کو شکست دے کر اس نے اپنی طویل جدوجہد کا ثمر حاصل کر لیا۔ شکست کی داستان رقم کرنے سے ہی کوئی قوم اپنی اُن کمزوریوں کو جان سکتی ہے۔ جو اس کی شکست کا باعث بنیں۔ جذبۂ قومیت کو اُجاگر کر کے ان کمزوریوں پر قابو پانے سے شکست آئندہ کی فتح میں تبدیل ہو سکتی ہے۔

برصغیر پاک وہند کی تاریخ میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کو بغاوت یا غدر کچھ بھی کہا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ اس خطے کے باسیوں پر انگریز کی حکمرانی اور مضبوط اور مستحکم ہو گئی تھی۔ سیاسی انحطاط کے اس دور میں اردو ادب کا بہترین سرمایہ تخلیق ہوا۔ ترقی پسندانہ خیالات و نظریات نے ادب کی اہمیت کو فروغ دیا۔ سرسید جیسے ادیب اقبال جیسے شاعر اور ابوالکلام جیسے خطیبوں نے افراد کے دلوں سے آزادی کی تڑپ کو مٹنے نہیں دیا۔ یہ چنگاری پھر شعلہ بنی اور مسلمانانِ برصغیر نے کی بالآخر اپنی منزل کو پالیا۔

اورل ہسٹری کے ادب میں موجود ماخذات کو اہمیت دینے سے یقیناً یہ آگہی ہوگی کہ روایتی تاریخ میں موجود حقائق کس حد تک درست ہیں۔ یا کہاں کہاں اپنے نظریے یا حکمران وقت کی خوشنودی کے لئے ان کو مسخ کر کے پیش کیا گیا ہے۔ یہ تاریخی تنقیدی شعور ادب کے تاریخی ماخذات پر تحقیق اور تنقید کے ذریعے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ تصنیف جس کا سب سے اہم مقصد یہ ہے کہ ادب جس کا مذہب انسانیت ہوتا ہے۔ وہ اپنی اس بنیادی خوبی کی بنا پر انسانی معاشرے میں نا

اتفاقی اور تعصب کی فضا کو ختم کر سکتا ہے۔کیونکہ روایتی تاریخ ہمیں حقائق تو بتاتی ہے۔ مگر ان حقائق، واقعات و حوادث سے سبق حاصل کرنے پر آمادہ نہیں کرتی۔ یہ کام "ادب" سے لیا جاسکتا ہے اور جب تاریخی ماخذات ادب میں موجود ہوں گے تو واقعات انسانی جذبات کی رنگ آمیزیوں کے ساتھ منظرِ عام پر آئیں گے۔اور زیادہ متاثر کن ہوں گے۔اس دنیا میں امن اور سکون کے ساتھ اپنے اور دوسروں کے وجود کی بقا کے لئے وسیع القلبی کی ضرورت ہے۔ تاکہ رواداری جیسے جذبات کو فروغ دے کر انسانوں میں قوتِ برداشت پیدا کی جاسکے۔اس لئے تاریخ اور تاریخی واقعات و حوادث کو ایک نئے انداز سے دیکھنے، پرکھنے اور برتنے کی ضرورت ہے۔

This work is licensed under a [Creative Commons Attribution 4.0 International License](https://creativecommons.org/licenses/by/4.0/).

حوالہ جات(References)

1۔مولانا غلام رسول مہر (مترجم) "مطالعہ تاریخ" لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز ۔ ص 10۔ 1972ء

2۔ایضاً ۔ ص 22

3.Paul Thompson "The Voice of the Past" England, Oxford University Press (3rd Edition) 2000 - Page 56

4. Jaffar, Saad, Asia Mukhtar, Sardar Muhammad, and Muhammad Ayaz. "The Concept Of Human Equality: A Comparative Study In The Light Of The Qur'an And The Bible." *Webology* 19, no. 3 (2022).

5. شارب ردولوی "جدید اُردو تنقید، نظریہ و عمل" لکھنؤ، اترپردیش اُردو اکادمی ۔ ص 35۔ 1994ء

6. شارب ردولوی "جدید اُردو تنقید، نظریہ و عمل" لکھنؤ، اترپردیش اُردو اکادمی ،ص23

7. شیخ محمد اکرم "آب کوثر" 1975، لاہور ، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ،ص86

8. مولانا غلام رسول مہر (مترجم) "مطالعہ تاریخ" (1972) لاہور شیخ غلام علی اینڈ سنز،ص33

9 . Paul Thompson "The Voice of the Past" (2000) England, Oxford University Press ,P:69

10.Seldon and Paapworth (1983) "by word of mouth" Newyourk Publishers,P:73

11.Woolf D.R (1998) " A Global Encyclopedia of Historical Writing" Volume London Garland Publishing Ink,p.19